اختر راہی ایم اے

یادِ رفتگاں

# آہ! مولانا مہر

"تحریکِ مجاہدین" کا مایہ ناز مورّخ ، بااصول صحافت کا علمبردار ، مولانا آزاد ، ظفر علی خان اور عبدالمجید سالک کا رفیقِ طریق ، غالبیات کا ماہر ، کلامِ اقبال کا شارح اور اردو ادب کا نقّاد ، تحریکِ آزادی کا خاموش اور ہر لحظہ مقصد پہ نظر رکھنے والا سپاہی ، مشرقی وضعداری کا مجسمہ ، خلوص کا پیکر ، سادگی کا نمونہ ، دردِ دل صفحۂ قرطاس پر نقش کرنے والا بے باک قلمکار ——— ——— یہ تھے مولانا غلام رسول مہر ! جو ۱۶ ؍ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو دنیا کے تمام علائق سے رشتہ توڑ کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے ( انا للہ وانا الیہ راجعون ) ہزاروں دل غمگین اور آنکھیں پُرنم کر گئے مگر موت سے کسے رستگاری ہے ۔ سه

آدمی بچ کر کہاں جائے قضا کے قہر سے — آج وہ اُٹھا ہے ، کل اٹھ جائیں گے ہم دہر سے
مہر کا جانا مقدر تھا ، مگر وہ کیا گیا — وضع داری کا جنازہ اٹھ گیا اس شہر سے

مولانا مہر مئی ۱۸۹۵ء میں ضلع جالندھر کے ایک چھوٹے سے گاؤں "پھول پور" میں پیدا ہوئے یہ گاؤں جالندھر سے چار پانچ میل جنوب میں واقع ہے ۔ وہ خاندان میں پہلوٹھے تھے ۔ ان کے والدِ بزرگوار محمد علی خان کی خواہش تھی کہ اپنے فرزند کو اعلیٰ تعلیم کے لئے ولایت بھیجیں گے ۔ مگر قدرت کا قلم کچھ اور ہی لکھ چکا تھا ۔ مولانا مہر نے زندگی کی گیارہ بہاریں بھی نہ دیکھی تھیں کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا ۔ والد کے انتقال کے بعد والدہ اور دادی صاحبہ نے مرحوم کی خواہش کے مطابق مہر کو اعلیٰ تعلیم دلائی ۔ مولانا مہر اکثر فخر سے کہا کرتے تھے کہ "میں جو کچھ ہوں اس میں میری والدہ مرحومہ کا بڑا حصہ ہے ۔

تعلیم کا آغاز ایک دیہاتی مدرسے سے ہُوا ۔ ۱۹۱۰ء میں مشن ہائی سکول جالندھر سے میٹرک

پاس کیا۔ حصولِ تعلیم کا شوق لاہور لے آیا۔ ۱۹۱۵ء میں اسلامیہ کالج سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ کالج میں مولانا اصغر علی روحی جیسے علماء سے فیض پایا۔

بی۔ اے کرنے کے بعد ان کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ انگریزی حکومت کی ملازمت اختیار کر لیتے یا کوئی آزادانہ کام اختیار کرتے۔ اہلِ خاندان کا مطمحِ نظر سرکاری ملازمت تھا۔ لیکن بی۔ اے کے آخری سال میں ان کا ارادہ کوئی آزاد پیشہ اختیار کرنے کا تھا اس عرصے میں مولانا ابوالکلام آزاد کے ہفت روزہ "الہلال" نے انہیں متاثر کیا اور صحافت کی پُرخار وادی میں قدم رکھنے کا فیصلہ کیا۔ ان کی صحافت کے بارے میں غالب کی زبان میں کہا جا سکتا ہے ؎

ما نہ بودیم بدیں مرتبہ راضی غالب
شعر خود خواہشِ آں کرد کہ گردد فنِ ما را

پہلی عالمگیر جنگ زور شور سے جاری تھی اور کوئی اخبار جاری کرنے کے لئے حالات موزوں نہ تھے۔ لہٰذا کسی مسلم ریاست کی ملازمت اختیار کرنے کا پروگرام بنایا۔ اُن کا خیال تھا کہ یہ علاقے انگریزی تسلط سے آزاد ہیں اور ان علاقوں میں آزادیٔ ضمیر پر کوئی آنچ نہ آئے گی۔ مگر تجربے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ ان ریاستوں کی اخلاقی اور سیاسی حالت انگریزی زیرِ تسلط علاقوں سے بھی گئی گزری ہے۔ تاہم حیدر آباد دکن کی ایک جاگیر میں بطور انسپکٹر تعلیمات ملازم ہو گئے۔

مولانا آزاد کے افکار و خیالات ان پر اس قدر حاوی تھے کہ انہیں غالب اور دوسرے شعراء کے کلام کیطرح مولانا آزاد کے مضامین و مقالات بھی لفظاً لفظاً یاد تھے۔ مولانا آزاد نے "الہلال" کی بندش (نومبر ۱۹۱۴ء) کے بعد "البلاغ" جاری کیا۔ تجدید و اصلاح کے لئے "حزب اللہ" کو مرتب و منظم کیا اور "حزب اللہ" کی تنظیمی امور کے لئے "دارالارشاد" قائم کیا۔

مولانا مہر "حزب اللہ" کے رکن تھے۔ جب پہلی جنگِ عظیم کے دوران ۲۳ مارچ ۱۹۱۶ء کو مولانا آزاد کو بنگال سے اخراج کا حکم ملا اور وہ کلکتہ چھوڑ کر رانچی (بہار) چلے گئے اور وہیں نظر بند کر دیئے گئے۔ آخر ۱۹۲۰ء میں رہا ہوئے۔ اس عرصے میں ان کے جملہ کاغذات پر قبضہ کر لیا گیا ان ہی کاغذات میں "حزب اللہ" کے رجسٹر تھے جن میں ارکان کے نام اور دیگر کوائف درج تھے۔ چنانچہ ہر صوبے کی خفیہ پولیس نے ان لوگوں کا تعاقب شروع کر دیا۔ مولانا مہر بھی خفیہ پولیس کی نظر میں آ گئے۔

اس عرصے میں مولانا نے ترکِ ملازمت کر کے اخبار یا رسالہ جاری کرنے کا پروگرام بنایا لیکن خفیہ پولیس کی برکات کی بدولت اجازت نامہ نہ مل سکا۔ حالات نہایت تیزی سے ہیجان انگیز

ہو رہے تھے۔ جنگ عظیم کے خاتمے پر اتحادیوں نے خلافت عثمانیہ کے بارے میں دل آزار طرز عمل اختیار کیا اور برصغیر میں تحریک خلافت کا آغاز ہوا۔ ساتھ ہی تحریک عدم تعاون چل نکلی۔ مولانا جالندھر میں سیاسی کاموں میں لگ گئے۔ وہ اخبار جاری کرنے پر تلے بیٹھے تھے مگر احباب کا مشورہ تھا کہ کامیاب اخبار کے لئے تجربہ ضروری ہے۔ چنانچہ نومبر ۱۹۲۱ء میں "زمیندار" کے حلقۂ ادارت میں شامل ہوئے۔ ان کے عزیز یہ خطرناک مشغلہ جاری رکھنے پر مزاحم ہوئے اور مجبوراً "زمیندار" سے وقتی طور پر علیحدہ ہونا پڑا۔ چند روز کے بعد "زمیندار" سے حکومت نے دو ہزار روپے کی ضمانت طلب کی، اور اخبار پندرہ بیس روز کیلئے بند ہو گیا۔ زر ضمانت داخل کرنے پر دوبارہ اجرا ہوا تو اوائل فروری ۱۹۲۲ء میں مولانا دوبارہ ادارۂ تحریر میں شامل ہو گئے۔ عبدالمجید سالک، مولانا ظفر علی خان اور اختر علی خاں تینوں جیل میں تھے۔ لہٰذا تمام ذمہ داری مولانا مہر کے کاندھوں پر تھی۔ ۱۹۲۷ء تک "زمیندار" میں کام کرتے رہے۔ مگر آخر میں انتظامی خرابیوں کی بناء پر سالک اور مہر دونوں استعفیٰ دیکر الگ ہو گئے۔

مہر صاحب نے اخبار سے علیحدگی کے بعد علمی مشاغل اختیار کرنے کا پروگرام بنایا۔ مگر "زمیندار" کے دوسرے پندرہ بیس کارکنوں کے استعفیٰ دینے سے نئے اخبار کے اجرا کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اخبار کا نام تجویز نہیں ہوا تھا کہ دونوں مدیران معمول کے مطابق اقبالؒ سے ملنے گئے۔ انہوں نے ازراہ نوازش اپنی نظم سنائی جس کا آغاز یہ ہے ؎

خواجہ از خون رگ مزدور سازد لعل ناب
از جفائے دہ خدایاں کشت دہقاں خراب

انقلاب، انقلاب، اے انقلاب

اس نظم سے اخبار کا نام "انقلاب" تجویز ہوا اور ۴ اپریل ۱۹۲۷ء کے پہلے پرچے کے صفحۂ اوّل پر یہ نظم شائع ہوئی۔

مولانا مہر نے جس زمانے میں وادیٔ صحافت میں قدم رکھا تھا، بقول ظفر علی خان ؎

قلم ضبط، زباں ضبط، فغاں ضبط
ایسے بھی ہوں گے کہیں سامان ضبط

کا منظر تھا۔ مگر انہوں نے وادیٔ پرخار میں قدم رکھ ہی دیا۔ صحافت میں سچی بات کہنا ضروری ہے۔ چاہے اس کے لئے قید و بند کی صعوبتیں ہی کیوں نہ برداشت کرنا پڑیں۔ مولانا مسلمانوں کی مادی خوشحالی اور آزادی دیکھنے کے علاوہ چاہتے تھے کہ تمام عالم اسلام میں محبت و مروت کے رشتے قائم ہو

جائیں۔ مولانا پختہ یقین رکھتے تھے کہ اسلام ہی وہ عالمگیر تحریک ہے جو کائنات کو ایک نقطے پر جمع کر سکتی ہے۔ "انقلاب" کے فائل گواہ ہیں کہ مولانا نے اس مقصد کے لئے بھرپور کام کیا۔

ترک موالات کے دور میں جذباتی اور ہیجان انگیز مضامین و مقالات کا عام رواج ہو چکا تھا۔ ان کی جگہ ٹھوس قومی اور ملکی مباحث کی طرح "انقلاب" ہی نے ڈالی تھی۔ اور "انقلاب" کی آواز کو خاصی پذیرائی حاصل ہوئی تھی۔

"انقلاب" قیام پاکستان کے دو سال بعد تک جاری رہا۔ "انقلاب" کی "رحلت" کے بعد مولانا نے تحقیق و تاریخ کے میدان کا رُخ کیا اور حقیقت یہ ہے کہ اس میدان میں ان کے راہوارِ قلم کی جولانیاں اور ترک تازیاں صحافت سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ جو ان کے نام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ کر گئی ہیں۔

انہوں نے چودہ سال کی مسلسل دماغ سوزی اور جگر کاری کے بعد سید احمد شہیدؒ اور جماعت مجاہدین کی مفصل تاریخ قلمبند کی۔ جو کم و بیش اڑھائی ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ "سرگزشت مجاہدین" جو اس سلسلہ کی تیسری کڑی ہے۔ اس کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"بے شک محبت بڑی ہی دلگیر اور مشقت بہ درجہ غایت صبر آزما تھی۔ تاہم اس کی حلاوت و دل پذیری کا یہ عالم تھا کہ ذوق و وجدان اب تک اسی لذت و سرور کی موجوں میں ڈوبے ہیں"

تحریک مجاہدین کے بعد مولانا نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو موضوع بنایا اور دو جلدوں میں اس تحریک پر روشنی ڈالی۔ ان مجاہدین کے کارناموں کو صفحۂ قرطاس پر ایک بار پھر ابھار دیا، جنہیں گردشِ زمانہ کے طفیل مسلمان بھلا بیٹھے تھے۔

مولانا نے بلا مبالغہ سینکڑوں مضامین لکھے جو نصف صدی کے اخبارات و رسائل میں منتشر ہیں۔ آخری دنوں میں اپنے ان مضامین کو یکجا کرنے کے خیال سے مختلف موضوعات پر مضامین چن رہے تھے۔ آزاد، اقبال اور غالب سے متعلق تحریریں غالباً یکجا کر لی تھیں اور مزید کام باقی تھا۔

مولانا آخر دم تک قلم سے کام لیتے رہے۔ تحدیث نعمت کے طور پر کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے کام کے لئے پیدا کیا اور کام لیا۔ ذاتی طور پر مولانا بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ لوگوں کے ڈر سے اپنی رائے چھپانا غلط ہے۔ ان کے سیاسی رجحانات سے اختلاف رکھنے والے بھی ان کی یکساں عزت و احترام کرتے تھے۔

ان کی وفات سے علم و ادب کی محفلوں کا ایک چراغ کم ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے۔ آمین۔